مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہم

منصوص اور غیر منصوص امور میں اختلافات

دین کیلئے کام کرنے والوں کو غلو اور تصادم سے بچانے کیلئے ایک اہم اصول

منصوص امور دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت و شکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت و شکل مطلوب ہے۔ اس کو ہم "منصوص بالوضع" کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص ہیئت و صورت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مثلاً ارکانِ دین اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں اور خود کر کے بھی دکھلائیں، مثلاً نماز۔ حج۔ وضو وغیرہ۔

غیر منصوص دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفس شی مطلوب ہے لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر (اور زمانہ کے تغیر اور امت کے لیے وسعت اور سہولت کا خیال کر کے) آپؐ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں صرف شے بتلادی کہ یہ مقصود ہے یہ چیزیں خود منصوص ہیں لیکن ان کی کوئی خاص وضع و ہیئت منصوص نہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم و دین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کا امت تک پہنچانا، یہ سب امت سے مطلوب ہے اگر امت ان کو چھوڑ دے اور بالکل کر دے تو وہ گنہگار ہوگی لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں، ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا بلکہ اس بارے میں امت کی عقل سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کو ان کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

لباس غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے۔ لباس ساتر ہو، ٹخنوں سے اونچا ہو گھٹنوں سے نیچا ہو۔ تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام و ناجائز مثلاً مردوں کے لیے ریشم نہ ہو پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرط بھی منصوص ہیں لیکن لباس کی شکل لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ غیر منصوص ہیں، اسی میں امت کے لیے بہت سی سہولتیں ہیں اس کو امت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا۔

مساجد دوسری مثال مساجد کی ہے، مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظامت بھی مطلوب ہے اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے بلند ہوں اور ممتاز بھی ہوں مگر ان کی کوئی خاص طرز تعمیر مطلوب نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ مینارے اور گنبد بھی مساجد کے لیے شرائط میں نہیں تھے۔ ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے۔ الجزائر و مراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی پہلی مسجد (بیت اللہ) کا کوئی مینار نہیں

دعوت الی اللہ کے اسالیب اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجئے، اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، اعلانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل معین نہیں، نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔

قال رب انی دعوت قومی لیلًا ونھارًا (حضرت نوح علیہ السلام نے (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کیا۔ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی)

ثم انی دعوتھم جھارًا (پھر میں نے خوب پکار کر اور چیخ کر بھی ان کو بلایا)

ثم انی اعلنت لھم واسررت اسرارًا (پھر میں نے بالاعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی)۔

لہٰذا دعوتِ دین کا کام کرنے والے ہر فرد و جماعت کو اختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لیے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی سعی و جہد و جہد کا جو طرز مناسب و مفید سمجھے وہ اختیار کرے اس میں کسی کو جائز و ناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ جائے جو شرعی طور پر منکر یا مقاصد دینیہ کے لیے مضر ہو۔

غیر منصوص اور منصوص کو خلط ملط کرنے کے مضرات بعض عوامی حلقوں میں اس وقت دین کے ان دونوں حصوں کو خلط ملط کر دیا ہے منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور غیر منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور مختلف اداروں اور دعوتوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو سکتی ہے اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی، سینکڑوں تنازعوں کا سدّ باب ہو جائے گا۔ اور بہت سی ذہنی الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

چیزوں کی اصلی ہیئت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد صحیح

اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اور حلقوں کے درمیان تقابل، تصادم اور اختلاف کا کوئی بھی موقع باقی نہیں رہتا، فرق جو رہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کون سی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہے اور کس سے وہ نتائج و مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں

اپنے لیے پسند کو دوسروں پر نہ ٹھونسئے

دعوت الی اللہ کی محض شکل اور طرز کی افادیت و تاثیر کی وضاحت کی جاتی ہے لیکن کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جاسکتا، جیسے احکام قطعیہ اور نصوص قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت، اگر کسی خاص طریقہ کار کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول اور سلف صالحین کے متفقہ مسلک اور طرز فکر کے مخالف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے۔ ہم اپنے مخصوص طرز کار کو اگر بہتر اور حیاء دین کے لیے زیادہ مفید سمجھتے ہیں تو یہ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ ہم اپنے طرز کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ پیش کر سکتے ہیں لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار سمجھیں یا ان کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں جن کو انہوں نے اپنے تجربہ و مطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے اور ان کی افادیت، واقعات اور برسوں کے تجربہ سے ان پر واضح ہو چکی ہے اور کتاب و سنت اور سیرت نبویؐ اور حکمت دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لیے ان کے پاس شواہد و دلائل پائے جاتے ہیں تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی۔ ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کی تحقیر و تردید کرنا، ان کو غلط کار اور گمراہ سمجھنا غلط ہے اور خدمت دین اور دعوت الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنانے اور امور دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مترادف ہوگا۔

دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔ بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث و قرآن سے استنباط کیے جاسکتے ہیں۔ وہ اصولی طور سے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ملیں گے لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجربی ہیں، ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں۔

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔ اس وقت اگر ایک حامد طبقہ اس کی مخالفت محض اس بنا پر کرے کہ ہمارے بزرگ اس طرح کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا۔ اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا۔ کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سوچنے اور سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز دین کی خدمت اور احیاء

کے لیے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لیے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے۔

جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا، یہ بے اعتدالی ہے اور یہ روّیہ خطرناک ہے، اسی طرزِ فکر کے نتیجہ میں مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے۔ اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم نے اس کو مفید پایا ہے۔ پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہیئے لیکن اگر کوئی خاص طریقہ ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب بن جائے گا۔ اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی اور اس وقت کے ربانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ اس کی اصلاح کے لیے جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح مقصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں، ایسے موقع پر حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا، فقہ فی الدین ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ۔

ع گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

دعوت و تربیت کے حریف عناصر

انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تربیت اور ان کی مساعی جمیلہ کے لیے (جن کی پشت پر تائید ربانی اور ارادۂ الٰہی ہوتا ہے) جہاں مضر اور ایک طرح سے حریف و رقیب کفر، الحاد و غفلت و معصیت ہے) جو ان کے پیروؤں کو ان کی دعوت کے برکات اور ان کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دینی ہے۔ "بے روح رسمیت" بھی ہے۔ اوّل الذکر طاقتیں بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں جو باہر سے ہوتا ہے تو یہ اندرونی بیماری ہے جو گھن طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جو ان کی تعلیم و دعوت سے پیدا ہوتی ہے) اور اس کو اندر اندر کھوکھلا کر دیتی ہے، اس کے نتیجہ میں عقائد بے اثر اور اعمال، عبادات بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں وہ رسم کی طرح ادا کیے جاتے ہیں ان میں نفسی ماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہتی اور ان کی کیمیا اثری انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے یا بہت کمزور ہو جاتی ہے، یہ عموماً نتیجہ ہوتا ہے مؤثر و صحیح دعوت قدرت کے فقدان یا انقطاع کا، یا مؤثر اصلاحی و تربیت شخصیتوں سے محرومی کا، یا ایسے مواقع اور میدانوں میں صدیوں تک پیش نہ آنے کا جن میں شرکت کر کے ایمان "بے تحریک" پیدا ہوتی ہے، دلوں کے دور ہوتے ہیں اور نفس کی مخالفت کی طاقت اور ایثار و قربانی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اسی وقت کوئی ایسی دعوت و تحریک (الہام ربانی اور انتظام خداوندی سے جو اس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے) سامنے آتی ہے جو اس "رسمیت" پر ضرب لگاتی ہے، دلوں کا زنگ دور کرتی ہے امت کی صورت سے حقیقت اور "رسمیت" سے ایمان و احتساب کی کیفیت کی طرف لاتی ہے، اسلام میں تجدید و اصلاح کی تاریخ اور مجددین، مصلحین کے مستند تذکروں کے مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے

کہ ان کا نشانہ یہی "رسمیت" تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے اور دیمک کی طرح اس کے سر سبز و شاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے اور امت بعض اوقات

واذا رأیتهم تعجبك اجسامهم وان یقولوا تسمع لقولهم كانهم خشبٌ مسندة

(اور جب تم ان کے (تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں اور وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر غور اور توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم و ادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں۔)

کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہے وہ ہدایت خداوندی اور کتاب و سنت کے عمیق و مخلصانہ مطالعہ کے اثر سے کوئی ایسی دعوت یا طریق کار پیش کرتے ہیں جس سے اس "رسمیت" کا پنجہ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ جسم امت میں ایک نئی روح ایک نئی ایمانی کیفیت، رضاء الٰہی کے حصول کا ایک زندہ و تابندہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی قوتِ عمل بڑھ جاتی ہے۔ اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہوتی ہے اور بعض اوقات قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں۔ اور ایمان کی روح پرور باد بہاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔

تاریخ دعوت و اصلاح کا واقعاتی المیہ

لیکن یہ بھی تاریخ اصلاح و دعوت کا واقعہ و المیہ ہے اور فطرت انسانی کی کارفرمائی کہ خود اس اصلاح و دعوت اور اس طریق کار میں مرور زمانہ سے "رسمیت" بے پاؤں داخل ہو جاتی ہے اور جو چیز رسم کو مٹانے و دل و دماغ کو جگانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح اندرونی جذبہ اور تازگی کھو دیتی ہے اور ایک "رسم" ضابطہ اور ROUTINE بن کر رہ جاتی ہے اور اسی کو خود ایک نئی اصلاحی دعوت اور ایک طاقتور شخصیت کی ضرورت پیش آتی ہے جو اس خواب آلودہ اور لکیر کے فقیر نظام اور طریق کار کی اصلاح کر دے اور اس میں جو بدعات مفاسد غلو اور جمود پیدا ہو گیا ہے اس کو توڑے اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب و سنت سے ماخوذ اور اصول و مقاصد کے مطابق ہو، معاشرہ کی "رسمیت" کو دور کرے اور ایمان و ایثار اور قوتِ عمل پیدا کرے۔

اسی صورت حال کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس سے بڑا سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔

راقم السطور کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں جلد جلد دیمک لگ جاتی تھی، اور قیمتی کتابیں تلف ہو جاتی تھیں وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں، ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتب خانہ میں رکھ دی جائے تو دیمک نہیں لگے گی۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی لیکن ان کی حیرت و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے

ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی ہڈی میں خود دیمک لگ گئی ہے۔

نبی، مجدد اور مصلح

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد اور ایک مصلح ہوتا ہے نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی ہے اور اس کی ہدایت حاصل کیے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اس میں کسی قسم کی مداہنت یا تساہلی کی گنجائش نہیں ہے لیکن مجددین اور مصلحین کا معاملہ یہ ہے۔ ہر مجدد اور ہر ربانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے۔ مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات بڑھیں گے اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں لہٰذا اس کے اثر سے انفاق وایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔

ایک تیسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی کے معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے تو اس سے تعلق وابستگی خاص طور سے اس میں موثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقہ کار پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم لیکن مجدد و مصلح کا معاملہ یہ نہیں۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی سے ہوتی ہیں لیکن نجات پر منحصر نہیں ہوتی۔

امت میں اختلافات اور ہمہ جہتی اصلاح کا ادعا

ایک بات یہ بھی جاننی چاہیئے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اور اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت و تحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کر سکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کر سکتی ہے ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کر سکتی ہے کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعے سے متاثر کیا جا سکتا ہے اسی طرح واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول اور ہر حالت میں کامیابی اس حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بہت سے قابل قدر ہیں اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص اسی مخصوص طرز پر کام نہ کرے جس کو اس نے اختیار کیا ہے حالانکہ عمومی اصلاحی وانقلابی تحریکوں اور دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے میں بٹھائی جاتی ہے ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے زیادہ ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیئے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ

(بقیہ صـ۲۶ پر)